© rasailojaraid.com

ہمارا دین ہر لحاظ سے مکمل ہے، بلکہ ہم ہمیشہ اس بات کی آرزو میں جیتے ہیں کہ کسی طرح اپنے آپ کو ان لوگوں کے رنگ میں رنگ لیں، جنہیں ہمارے عظیم الشان ماضی نے جنم دیا تھا۔ ہم اپنی مچلی ہوئی تمناؤں اور بے قرار کرنے والے خوابوں کی تعبیر مستقبل میں تلاش نہیں کرتے۔ بلکہ اُسے ماضی میں ڈھونڈتے ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے ہم جدوجہد کرتے ہیں، اسی کی بدولت ہمارے اندر عمل کی خواہش، کچھ ہونے کی آرزو، اور اپنی قوتوں کو ایک راہ پر ڈالنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ روایات ہمارے لیے باعثِ جاذبیت و کشش نہ ہوتیں، اور انھیں اپنانے کا ہمارے اندر ایک شدید احساس قائم نہ رہتا تو ہم آج تک صفحۂ ہستی سے کبھی کے مٹ چکے ہوتے۔

اس معاملہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ صرف کتابوں میں محفوظ سچائیاں، خواہ وہ کتنی صحیح اور درست ہوں ایک عام آدمی کے لیے کبھی مفید نہیں ہو سکتیں۔ ایک انسان کے لیے وہ اسی وقت قابلِ قبول ہوتی ہیں جب وہ پیکرِ محسوس میں جلوہ گر ہوں۔ آپ ہر روز اخوت، مساوات، رواداری اور عدل کے الفاظ سنتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر لفظ آپ کی نگاہوں کے سامنے جیتی جاگتی تصویر لا کھڑی کرتا ہے۔ مثلاً میرے کانوں نے جب کبھی مساوات کا لفظ سنا ہے فوراً میرے ذہن میں حضرت عمرؓ اور حضرت بلالؓ آگئے ہیں۔ میرے نزدیک یہ اس لفظ کی عملی تعبیر ہے، اور میں اسی تعبیر کے ذریعہ اس لفظ کے مضمرات سمجھتا ہوں۔ ایک امریکن جب اسی لفظ کو سنے گا تو اُس کے سامنے کچھ دوسرے نقشے آئیں گے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی لفظ بغیر اُس کی عملی تشریح کے اپنے اندر کوئی معنویت رکھتا ہو۔ ہم جب بھی قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں فوراً ان نفوسِ قدسی کی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں آتی ہیں جنہوں نے اس کی تعلیمات کو ایک مثالی صورت میں اپنا کر ہمارے سامنے پیش کیا۔ ان صورتوں کو نہ تو کوئی مسلمان فراموش کر سکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کر سکتا ہے۔ یہ معیار ہمیں اپنے ماضی کی روایات ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

بعض لوگ بڑی ناسمجھی کی بنا پر یہ کہہ دیتے ہیں مسلمانوں کی روایات نے ان کے اندر انتشار پیدا کیا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ انھیں روایات کی وجہ سے انھیں ایک وحدت نصیب ہوئی ہے۔ اگر روایات کا یہ ترکہ ہمیں ورثہ میں نہ ملتا، تو ہر سرپھرا جس طرح چاہتا موڑ توڑ کر تعلیماتِ الٰہی کی تعبیر کر لیتا۔ یہ انہی روایات کا اعجاز ہے کہ قوم کا ایک ایسا اجتماعی شعور بن چکا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کے اندر کسی فتنے کو گھسنے نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتی اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اندر کسی ایسی تعبیر کو گوارا نہیں کیا، جس کی تائید حضور سرورِ کائنات اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے اُسوے سے نہ ملتی ہو۔

آخر میں ہم ایک گذارش اُن حضرات سے کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو بڑی نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا جب تک کوئی جدید ایڈیشن پیش نہ کیا جائے یہ قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ یہ حضرات سخت دھوکے میں مبتلا ہیں۔ وہ نہ تو اس قوم کی ہیئتِ اجتماعی کو سمجھتے ہیں، نہ ہی اس کے مقاصد سے واقف ہیں اور نہ ہی اس کے مزاج کے شناسا۔ مسلم قوم صرف رضائے الٰہی کے لیے دنیا میں زندہ ہے اور اسی کا حصول اس کا معراج ہے۔ آپ خود ہی سوچیے کہ آخر اس منزل کی طرف سب سے صحیح رہنمائی کون کر سکتا ہے — وہی ذاتِ اقدس جس پر قرآن کریم نازل ہوا، اور وہی پاکباز لوگ جو اُس بلند و برتر ذات کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اسی وجہ سے اس کے ماضی کی حیثیت آثارِ قدیمہ کی نہیں بلکہ ایک زندہ جاوید آئیڈیل کی ہے، جس سے اس کا وجود قائم ہے، جس سے یہ زندگی کی حرارت حاصل کرتی ہے۔ آپ نے اگر ایک دفعہ اس کا اپنے ماضی سے رشتہ منقطع کر دیا، اس کی روایات سے اسے الگ کر لیا تو پھر خواہ یہ کتنی ہی ترقی کرے، لیکن امتِ وسط اور شاہد علی الناس کی حیثیت سے مٹ جائے گی۔ اس کا حشر پھر وہی ہوگا جو لوتھر کی تحریکِ اصلاحِ مذہب نے مسیحیت کا کیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بُرا ہوگا۔ یورپین اقوام نے تو مذہب کی گرفت کمزور ہو جانے کے بعد پھر اپنے آپ کو خاک و خون کے رشتوں میں منسلک کر کے کسی نہ کسی شکل میں اپنے آپ کو زندہ رکھا ہے لیکن یہ قوم جس نے رنگ و نسل کے امتیازات کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اس سہارے کو چھوڑ کر آخر کس سہارے پر زندہ رہے گی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تزکیۂ نفس

تزکیۂ عمل

(مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

علمؐ کے تزکیہ کے بعد عمل کے تزکیہ کی باری آتی ہے۔ عمل کے تزکیہ سے مطلب یہ ہے کہ عمل بجائے خود بھی ٹھیک ہو اور اس کا محرک بھی ٹھیک ہو۔ محرک کو کسی عمل کی پاکیزگی میں سب سے زیادہ دخل ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایک عمل ظاہر میں بڑا معصوم نظر آتا ہے لیکن تحقیق کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس کا محرک نہایت مکروہ اور گھنونا ہے! اسی طرح بعض اوقات ایک عمل ظاہر میں برا نظر آتا ہے لیکن اس کا محرک نہایت اچھا ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر ایک مریض کا کوئی عضو کاٹ کر اس کے جسم سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ بظاہر یہ فعل نہایت ظالمانہ ہے لیکن اس کے اس فعل کو کوئی شخص بھی برا نہیں کہتا کیونکہ اس نے یہ کام مریض کے بقیہ اعضا کو عضو فاسد کے زہر سے بچانے کے لیے کیا ہے۔ کارپوریشن ایک بنی بنائی عمارت کو منہدم کرا دیتی ہے۔ بظاہر یہ ایک نہایت غلط اور نقصان رساں کام ہے لیکن اس کے اس اقدام پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ اس مکان کے ہدم میں ایک پورے شہر کی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ایک شخص تعلیم خانہ قائم کرتا ہے، مسجد تعمیر کراتا ہے، مدرسے بنواتا ہے، ظاہر میں یہ سارے کام دین کی اور قوم کی خدمت کے کام ہیں لیکن اگر ثابت ہو جائے کہ یہ سارے کام محض دین بازی اور زر اندوزی کے لیے کیے گئے ہیں تو کسی شخص کی نظر میں بھی ان کاموں کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اعمال کے بارہ میں نیت کو بڑی اہمیت دی ہے۔ کسی شخص کا نیک سے نیک عمل بھی خدا کے ہاں کوئی وقعت نہیں پاتا اگر وہ نیت کی نیکی کے ساتھ انجام نہ دیا گیا ہو اور ایک آدمی اپنے برے سے برے عمل کے مواخذہ سے بھی بچ جائیگا اگر وہ عمل اس سے بلا ارادہ و نیت کے صادر ہو گیا ہو یا نیت تو اچھی رہی ہو لیکن کسی غلطی کے سبب سے فعل غلط

لہ تزکیۂ نفس کے جو مباحث ان صفحات میں اب تک شائع ہوئے ہیں وہ تزکیۂ علم سے متعلق تھے اب یہاں سے تزکیۂ عمل کا باب شروع ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صادر ہو گیا ہو۔

انسان کے کسی قول و فعل سے متعلق نیت اور محرک کا سوال ایک لازمی نتیجہ ہے اس کے ایک ذی ارادہ اور ذی اختیار ہستی ہونے کا۔ انسان کوئی پتھر، کوئی درخت یا کوئی جانور نہیں ہے کہ اس کی صرف ظاہری حرکتوں ہی کو دیکھا جائے، ان حرکتوں کے پیچھے جو محرکات ہیں ان کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے۔ اگر محرکات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ایک انسان اور ایک حیوان میں فرق ہی کیا رہا؟

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں انسان کے صرف انہی اعمال کی اہمیت ہے جو ارادہ و نیت کے تحت صادر ہوئے ہوں۔ جو اعمال جبر و اکراہ، یا سہو یا بلا کسی قصد و ارادہ کے صادر ہو جاتے ہیں اسلام ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہی اعمال ہیں جن کی خدا کے ہاں قبولیت یا عدم قبولیت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر آدمی نے کسی کام کو نیک نیت اور نیک محرک کے تحت کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کو قبول فرمائے گا اور اگر اس نے کسی کام کو بُرے محرک کے تحت کیا ہے تو خواہ وہ عمل بظاہر کتنا ہی اچھا ہو لیکن وہ اصل محرک کے کھاتے ہی میں محسوب ہو گا۔ یہی حقیقت بخاری اور مسلم دونوں کی اس متفق علیہ حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

"حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اعمال کا انحصار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کے سامنے اس کی نیت ہی آئے گی جس نے اپنی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے کی تو اس کی ہجرت فی الواقع اللہ اور رسول کے لیے ہے لیکن جس کی ہجرت کسی غرض دنیوی کے لیے ہے جس کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے یا کسی عورت کے لیے ہے جس سے وہ شادی کا طالب ہے تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لیے ہے جس کے لیے اس نے فی الواقع ہجرت کی ہے۔" (ریاض الصالحین باب الاخلاص)

اسلام میں اس نیت کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ بسا اوقات ایک آدمی ایک برائی کا ارتکاب نہیں کرتا لیکن خدا کے ہاں وہ اس کے اعمال نامہ میں لکھ لی جاتی ہے کیونکہ وہ اس کے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اسی طرح بسا اوقات وہ ایک نیکی کے کرنے کی سعادت سے محروم رہ جاتا ہے لیکن وہ بھی اس کے اعمال نامہ میں درج ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس کے کرنے کی دل سے آرزو رکھتا تھا لیکن کسی رکاوٹ کے سبب سے وہ اس آرزو کو پورا نہ کر سکا۔ دو حدیثیں ملاحظہ ہوں جن سے ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت ملتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ابو بکرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ میں نے عرض کی کہ جو قاتل ہے اس کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے یا رسول اللہ لیکن یہ مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ وہ اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔" (ریاض الصالحین بحوالہ صحیحین۔ ص ۸)

دوسری حدیث جو نیک ارادہ سے متعلق ہے وہ ملاحظہ ہو۔

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک سے لوٹ رہے تھے کہ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے پیچھے مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کا حال یہ رہا ہے کہ ہم جو گھاٹی بھی پار کی ہے اور جس وادی سے بھی ہم گزرے ہیں اس میں وہ ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو کسی عذر کے سبب سے رکنا پڑا ہے۔" (ریاض الصالحین بحوالہ بخاری)

عمل کے محرکات نیت اور محرک کی اس اہمیت کے واضح ہو جانے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنا اچھی طرح نفسیاتی تجزیہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ ہمارے اندر وہ کیا کیا محرکات ہیں جو ہمیں کسی عمل پر اکساتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ محرکات ظاہر میں تو بہت سے نظر آتے ہیں لیکن اگر گہری نظر سے ان کا جائزہ لیا جائے تو ان سب کو پانچ بنیادی محرکات کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں:

ضروریات۔ خواہشات۔ شہوات۔ جذبات۔ نفس ناطقہ یا روح ملکوتی۔

مناسب ہو گا اگر اختصار کے ساتھ ان محرکات کا ہم تعارف بھی کرا دیں۔

"ضروریات سے ہماری مراد زندگی کی وہ ابتدائی اور بنیادی ضروریات ہیں جن کے فراہم ہونے ہی پر ہماری ذات کا بقا منحصر ہے۔ یہ ضروریات انسان کو بہت سے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ مثلاً اسے بھوک لگتی ہے تو وہ کھانا کھاتا ہے، پیاس لگتی ہے تو پانی پیتا ہے۔ تن ڈھانکنے کے لیے لباس پہنتا ہے، خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے پناہ گاہیں تلاش کرتا اور اسلحہ تیار کرتا ہے، موسم کی ناہمواریوں اور نامساعدتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے غذا کے ذخیرے جمع کرتا ہے۔ سردی، گرمی اور برسات کی تکلیفوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے مکان بناتا ہے۔

خواہشات کی منزل ضروریات سے ایک قدم آگے ہے۔ مثلاً کھانے پینے اور پہننے کی جہاں تک اصل ضرورت

© rasailojaraid.com

کا تعلق ہے وہ تو بہت معمولی غذا اور نہایت موٹے جھوٹے اور کھردرے کپڑوں سے بھی پوری ہو سکتی ہے لیکن انسان کی فطرت کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ وہ صرف کسی نہ کسی طرح پیٹ پال لینا ہی نہیں چاہتا بلکہ قسم قسم کے لذیذ کھانوں اور لذیذ مشروبات کی خواہش بھی رکھتا ہے۔ وہ صرف تن ڈھانکنے ہی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ آرائش و زیبائش کا ذوق و شوق بھی رکھتا ہے۔ وہ صرف گرمی اور برسات سے بچنے کے لیے اپنے سر پر ایک چھت ہی نہیں چاہتا ہے بلکہ آراستہ و پیراستہ کوٹھیوں اور بنگلوں کی خواہشیں بھی رکھتا ہے۔ یہی خواہشیں ہیں جو انسان کو ہزاروں لاکھوں کام کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ بلکہ سچ پوچھیے تو اس دنیا کی ساری چہل پہل انسان کی ان خواہشوں ہی کی پیدا کردہ ہے۔ تعلیم و تہذیب اور تمدن و ترقی کے ناموں سے آج جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب انہی خواہشوں کے جلوے اور کرشمے ہیں۔ آرٹ اور صنعت و حرفت کے جو مظاہر آپ دیکھ رہے ہیں سب کی تہ میں یہی خواہشیں کام کر رہی ہیں۔ یہی خواہشیں ہیں جو ایک خاص قسم کے نظامِ اخلاق کو وجود میں لاتی ہیں جس میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ عزت و شہرت کی خواہش، بقائے دوام کی آرزو، تفوق اور غلبہ کی کشمکش اور مقابلہ اور تنافس کی کشاکش کو حاصل ہوتی ہے۔

شہوات کو اگرچہ خواہشات کے عنوان کے تحت بھی لایا جا سکتا تھا لیکن ہم نے اس کا ذکر ایک مستقل محرک کی حیثیت سے اس وجہ سے کرنا مناسب خیال کیا کہ اس میں اصل خواہش جنس کی ہوتی ہے، اس مرکزی خواہش سے دوسری خواہشیں جو ابھرتی ہیں ان سب کی حیثیت اسی خواہش کے لوازم و توابع کی ہوتی ہے۔ اگرچہ پوری تفصیل کے ساتھ یہ بتانا تو مشکل ہے کہ زندگی کے مختلف میدانوں میں انسان کے وہ کیا کیا اقدامات ہیں جو محض اس کی شہوات کے مظاہر ہیں کیونکہ اس میں بہت کچھ اختلاف رائے ہو سکتا ہے لیکن اس بدیہی حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آج آرٹ میں، صنعت میں، ادب میں اور معاشرت و تمدن میں جو نمایاں مقام اس محرک کو حاصل ہے شاید ہی کسی دوسرے محرک کو حاصل ہو۔

جذبات سے ہماری مراد محبت و ہمدردی، نفرت و عداوت، رشک و حسد، غیرت و حمیت، غصہ و انتقام وغیرہ کے جذبات ہیں۔ یہ جذبات نفسِ انسانی کے اندر بڑی گہری جڑیں رکھتے ہیں اور جب ظاہر ہوتے ہیں تو بڑے زور و قوت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ انسان کو کسی عمل پر ابھارنے میں ان جذبات کو نہایت موثر عامل کی حیثیت حاصل ہے۔ انسان کے بہت سے بھلے اور برے کام انہی جذبات کے مظاہر ہیں۔ ان کی مثال بھاپ کی سی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھاپ کو اگر صحیح طور پر کنٹرول میں رکھا جاسکے تو اس سے بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں، اگر کنٹرول میں نہ رکھا جاسکے تو اس سے بہت سے خطرے بھی ظہور میں آسکتے ہیں۔ جذبات بھی آدمی کے اندر بڑی طاقت ہیں۔ بشرطیکہ انسان ان پر قابو رکھ سکے۔ اگر ان کو قابو میں نہ رکھ سکے تو پھر ان سے زیادہ مہلک بھی کوئی اور چیز نہیں۔

نفس ناطقہ یا روح ملکوتی سے ہماری مراد وہ نور یزدانی (DIVINE SPARK) ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ڈالا ہے اور جس کو قرآن مجید میں نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي (اور انسان میں میں نے اپنی روح پھونکی) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی نور یزدانی سے مشرف ہونے کے بعد انسان فرشتوں کا مسجود بنا۔ یہی چیز ہے جس سے اس کو خیر اور شر کی معرفت حاصل ہوئی اور اس میں اعلیٰ اقدار کے احترام کا جذبہ پیدا ہوا۔ یہ نور چونکہ انسان کو زمین سے نہیں بلکہ آسمان سے ملا ہے اس وجہ سے اس کی لپک ہمیشہ خدا کی طرف رہتی ہے اور اگر نفس کے سفلی تقاضوں کے حجابات بہت سخت نہ ہوں تو یہ ہمیشہ انسان کو اوپر کی طرف اٹھاتا ہے۔ انسان کے تمام اعلیٰ اوصاف کا، جو اس کو حیوانات سے ممتاز کرتے ہیں، سرچشمہ یہی ہے۔ اسی نور کی وجہ سے انسان عقل کی رہنمائی سے نوازا گیا اور وحی و الہام کی ہدایت کے لائق ٹھہرا۔ یہ ایک ملکوتی محرک ہے جو انسان کو اعلیٰ کاموں پر ابھارتا ہے اور جب انسان کوئی اعلیٰ کام انجام دیتا ہے تو اس پر اس کی تحسین کرتا اور اس کا حوصلہ بڑھاتا ہے اور اگر وہ کوئی برا کام کر گزرتا ہے تو اس برے کام پر اس کو ملامت بھی کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی کو نفس لوامہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ سورۂ قیامہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے اور اس کو ایک روز جزا و سزا کے ثبوت میں ایک نہایت اہم انفسی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ جو لوگ ڈارون کے مادہ پرستانہ نظریۂ ارتقاء کے اندھے بہرے معتقد ہیں وہ انسان کے اس باطنی نور سے بالکل بے خبر ہیں اور یہی بے خبری ہے جس کی وجہ سے وہ انسان کے بہت سے میلانات کی یا تو سرے سے کوئی توجیہ کر ہی نہیں پاتے، یا کرتے ہیں تو بالکل غلط کرتے ہیں۔ یہ لوگ ارتقاء کی بعض گم شدہ کڑیوں کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہیں حالانکہ اصلی کڑی جس کی انہیں جستجو کرنی چاہیے یہ ہے جس کی نشاندہی قرآن کر رہا ہے۔

مذکورہ محرکات کی حیثیت یہی محرکات ہیں جو انسان کی تمام عملی سرگرمیوں کا منبع ہیں۔ اگر انسان کے اعمال کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کا ہر عمل انہی محرکات میں سے کسی نہ کسی محرک سے وابستہ نکلے گا۔

© rasailojaraid.com